ماہ رمضان اور اس کی برکات

از مولانا محمد عبدہٗ صاحب فیروزپوری مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی

(۲)

رمضان المبارک کے اعمال صالحہ اور آداب حسنہ میں سے اعتکاف بھی ہے۔

اعتکاف کا معنی یہ لفظ عکف سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی مطلق ٹھہرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں صفۃ مخصوصہ کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔

کتاب و سنت سے اس کی مشروعیت ثابت ہے قرآن پاک میں ہے۔

ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد — اگر تم مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہو تو اس حالت میں نہیں چاہیے کہ تم اپنی بیویوں سے خلوت کرو۔

اعتکاف کے لیے مسجد شرط ہے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرد اعتکاف کرے یا عورت اس کے لیے مسجد شرط ہے دارقطنی کی ایک روایت بھی اس معنی کی موید ہے آنحضور نے فرمایا لا اعتکاف الا فی مسجد جماعۃ کہ مسجد جماعت کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں

اعتکاف کرنا رمضان میں افضل ہے اعتکاف جس وقت بھی کیا جائے باعث ثواب ہے لیکن رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں افضل ہے آپؐ ہمیشہ رمضان میں اعتکاف کرتے رہے اور آپؐ کا فرمان بھی یہی ہے کہ۔

من اراد ان یعتکف فلیعتکف فی العشر الاواخر من رمضان — جس کا ارادہ اعتکاف کرنے کا ہو تو چاہیے کہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں کرے۔

اعتکاف سنت ہے اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف کرنا سنت ہے کیونکہ اگر واجب ہوتا تو آپؐ ارادہ اور مشیت پر معلق نہ کرتے ابن المنذر فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا اس مسئلہ (اعتکاف کے سنت ہونے) پر اجماع ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک اس پر مداومت کی ہے لیکن کبار صحابہ کا آپ کے بعد اعتکاف نہ کرنا بھی اس کے عدم وجوب پر دال ہے بعض کا قول یہ ہے کہ اعتکاف بھی صوم وصال کی طرح آنحضور کے ساتھ مخصوص تھا لیکن یہ صحیح نہیں۔

نذر ماننے سے اعتکاف واجب ہو جاتا ہے ہاں اگر کوئی شخص اعتکاف کرنے کی نذر مان لے تو

اس کا ایفاء واجب ہوگا حضرت عمرؓ نے مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی تو آپ نے فرمایا "اپنی نذر کو پورا کرو"

اور بخاری کی حدیث ہے کہ "جو شخص اللہ تعالی کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے چاہیئے کہ پورا کرے"

معتکف پر روزہ واجب نہیں اگر غیر رمضان میں اعتکاف کرے تو اس پر روزہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے بعض ائمہ نے روزہ کو شرط قرار دیا ہے اور حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا

لا اعتکاف الا بصوم — کہ روزہ کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے جس سے وجوب ثابت نہیں ہو سکتا اور حضرت عمرؓ کی وہ روایت کہ رات کو اعتکاف کیا تھا بھی اس کے خلاف ہے اگر روزہ شرط ہوتا تو نہ تو صرف رات کا اعتکاف ہی صحیح ہوتا اور نہ بعض دن کا حالانکہ دونوں اعتکاف صحیح ہے۔

اعتکاف کا طریقہ اور اس کے متعلق ہدایات آنحضور کی عادت تھی کہ رمضان کی ۲۰ ویں شب مسجد میں گذارتے اور فجر کی نماز پڑھ کر اعتکاف گاہ میں تشریف لے جاتے تو معتکف کے لیے بھی سنت یہی ہے کہ اسی طرح کرے۔

(۲) اعتکاف گاہ کی تعیین ضروری ہے اور اس کو چادر وغیرہ سے گھیرنا یا پردہ کرنا ضروری نہیں۔ ہاں عورت کے لئے تستر شرط ہے اور مرد بھی اگر اخفاء عمل یا دیگر کسی مصلحت کے لیے اخفاء کرے تو جائز ہے لیکن واجب نہیں۔

(۳) اور معتکف پر لازم ہے کہ لابدی ضرورت کے بغیر مسجد سے نہ نکلے فضول گوئی اور ہر قسم کی مجالس سے مجتنب رہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ۔

ان السنة للمعتکف ان لا یخرج الا لحاجة الانسان۔ — معتکف کے لیے مسنون ہے کہ حاجت انسانی (پیشاب پاخانہ وغیرہ) کے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلے

ہاں جو جامع مسجد میں معتکف نہ ہو وہ جمعہ کے لیے جا سکتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک تو غیر ضروری حاجت کے لیے نکلنے سے اعتکاف ہی باطل ہو جاتا ہے۔

(۴) اعتکاف کے دنوں میں بیوی کے ساتھ خلوت بھی ممنوع ہے اس سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی آیت گذر چکی۔ ہاں مسجد میں بیٹھے بیٹھائے اپنی حوائج و

ضروریات کے لیے اس سے خدمت لے سکتا ہے اور اس کے ساتھ بات چیت کر سکتا ہے۔

لیلۃ القدر لیلۃ القدر، فضیلت و برکت اور امن و سلامتی کی رات ہے جس میں قرآن پاک کا نزول شروع ہوا۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ⭘ وما	ہم نے قرآن کو عزت و حرمت والی رات میں نازل
ادرٰیک مالیلۃ القدر ⭘ لیلۃ القدر	کیا اور ہاں تمھیں کس نے بتایا کہ عزت و حرمت والی
خیر من الف شھر ⭘ تنزل الملٰئکۃ والروح	رات کیا ہے؟ وہ رات جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے[1]۔
فیھا باذن ربھم من کل امر ⭘ سلام	جس میں حضرت جبرئیلؑ اور دوسرے فرشتے حکم خدا سے نازل
ھی حتی مطلع الفجر ⭘	ہوتے ہیں اس رات میں طلوع فجر تک سلامتی ہے۔

دوسری جگہ قرآن نے اس رات کو "لیلہ مبارکہ" کے نام سے یاد فرمایا ہے کہ۔

انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ	ہم نے اس کتاب مبین کو ایک مبارک شب میں
انا کنا منذرین ⭘ فیھا	اتارا کہ ہمیں انسانوں کو ڈرانا ہے۔ وہ مبارک شب
یفرق کل امر حکیم ⭘	جس میں ہر از حکمت امور کا ہمارے حکم سے فیصلہ کیا
امرا من عندنا انا کنا	جاتا ہے۔ انسانوں کے پاس اپنی رحمت سے ایک رہنما
مرسلین ⭘ رحمۃ من	بھیجا ہے کیونکہ ہم پکارنے والے کی دعائیں سنتے
ربک ⭘ انہ ھو السمیع العلیم	ہیں اور دنیا کے ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں۔ (دخان)

پہلے گذر چکا ہے کہ قرآن پاک کا نزول رمضان میں ہوا اور یہاں فرمایا کہ لیلۃ القدر میں اترا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر سے رمضان ہی کی رات مراد ہے۔

اور ایک ہی رات میں اتارنے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ نزول کا آغاز لیلۃ القدر میں ہوا۔ اگرچہ اس رات میں چند آیات اتریں مگر کہہ سکتے ہیں کہ اس میں قرآن اترا کیونکہ قرآن کا اطلاق جیسے کل پر ہوتا ہے ایسے ہی جزو پر بھی ہو سکتا ہے۔ یا ایک رات میں اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے سماء دنیا پر ایک ہی رات میں اتارا گیا اس کے بعد نجماً، نجماً ۲۳ برس میں اترتا رہا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر کی قدر و منزلت اور فضیلت صرف اس لیے ہے

[1] یعنی اس میں عمل کرنا اس ہزار مہینے سے جس میں شب قدر نہ ہو بہتر ہے ۱۲۔

کہ اس میں قرآن پاک جیسی عظیم المرتبۃ کتاب کے نزول کا آغاز ہوا ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد

ورنہ رات کو رات پر یا دن کو دن پر ذات کے لحاظ سے کوئی فضیلت نہیں۔ بعض منجمین نے جو بعض ایام کو سعد اور بعض کو نحس کہا ہے اور مسلمانوں نے بھی اس سے متاثر ہو کر بعض ایام کی فضیلتیں اپنے پاس سے تراش لی ہیں بالکل بے معنی بکواس ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ دن یا رات افضل وہی ہو سکتے ہیں جن کو خالق الیوم واللیل فضیلت بخشے ورنہ کسی دن کو کسی دن پر فضیلت نہیں۔

لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ

"قدر" کے لغت میں دو معنی آتے ہیں (۱) منزلت و مرتبہ (۲) تقدیر و تدبیر۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس کے دوسری راتوں سے افضل ہونے کی بنا پر "لیلۃ القدر" کہینگے، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے اس کو "لیلۃ القدر" اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے اہم امور اور حوادث جو سال کے اندر رونما ہونے والے ہیں ان کی تدبیر کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کے نزول کا فیصلہ بھی ایک بہت بڑا انقلابی فیصلہ تھا اس رات کو جس میں قرآن پاک کا نزول ہوا اسکو لیلۃ القدر کہا ہے اور یہ ثانی معنی زیادہ مناسب ہے۔

قال ابن العربی لیلۃ القدر — امام ابن العربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ

قیل لیلۃ الشرف والفضل وقیل — لیلۃ القدر کے معنی یا تو شرف و فضل کی رات کے ہیں

لیلۃ التقدیر والتدبیر وھو اقرب — یا اس کے معنی تقدیر و تدبیر کی رات کے ہیں اور یہ ثانی معنی زیادہ الصحیح ہے

لیلۃ القدر کونسی رات ہے؟

لیلۃ القدر کی تعیین میں حدیثیں مختلف ہیں اس لئے ائمہ کے اقوال بھی مختلف ہیں۔ حافظ نے فتح الباری میں ۴۰ قول نقل کئے ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ تو نص قرآن سے ثابت ہے کہ لیلۃ القدر وہی ہے جس میں قرآن پاک کا نزول ہوا اور وہ رمضان کی رات ہے اور احادیث صحاح سے یہ بھی ثابت ہے کہ عشرہ اخیرہ کی وتر راتوں میں سے ایک رات ہے۔ اور اغلباً ۲۷ ویں لیکن بعض احادیث میں جو اس رات کی علامات مذکور ہیں تو وہ عام نہیں بلکہ خاص رات کے متعلق تھیں فدع الاختلاف التی بلغت ۴۰ قولاً او اکثر انتہی"

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں کہ اس کی تعیین میں بہت اختلاف ہے، لیکن قول فیصل یہ ہے کہ القدر کی دو روایتیں ہیں ایک تو وہ ہے جس کے متعلق فرمایا کہ۔

فیھا یفرق کل امر حکیم — اس میں پر از حکمت امور کا ہمارے حکم سے فیصلہ کیا جاتا ہے۔

قرآن کا نزول بھی اسی رات میں ہوا اور یہ رات سال میں ایک ہوتی ہے لیکن نزولِ قرآن کے وقت رمضان میں تھی۔

دوسری ایک رات رمضان میں ہوتی ہے اس کو بھی لیلۃ القدر کہتے ہیں جس میں دعا قبول ہوتی ہے اور آنحضور نے اس کے تلاش کرنے کی ترغیب دی ہے اور یہ رات اغلباً عشرہ اخیرہ کی وتر راتوں میں ہوتی ہے۔

باقی رہا صحابہ اور تابعین کا اختلاف تو ہر ایک نے اپنے مشاہدہ سے خبر دی ہے جس میں تعارض نہیں اس تحقیق سے سب نزاع رفع ہو جاتا ہے اور مختلف اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے واللہ اعلم

اس رات کی دعا حدیث میں آیا ہے کہ جس کسی کو یہ شب ملے تو وہ یہ دعا مانگے۔ کہ۔

اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی — اے الٰہی تو ہی (سب گناہ) معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنیکو پسند کرتا ہے تو، تو اپنے فضل وکرم سے میرے گناہ بھی معاف کردے

لیلۃ القدر کی فضیلت حدیث سے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ — جسنے لیلۃ القدر کا قیام ایمان اور احتساب (نیکی) کیلئے کیا اس کے سب اگلے گناہ بخشدیئے جاتے ہیں۔

اور انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ۔

ان ھذا الشھر قد حضرکم وفیہ لیلۃ خیر من الف شھر من حرمھا فقد حرم الخیر کلہ ولا یحرم خیرھا الا محروم — اس مہینہ (رمضان) میں ایک رات ہے اس میں عبادت کرنی اس ہزار مہینہ کی عبادت سے بہتر ہے جس میں یہ رات نہو۔ یاد رکھو! جو شخص اس رات سے محروم رہا تو وہ ماہ رمضان کے خیر سے محروم رہا۔ اور اس کی خیر و برکت سے بدبخت شقی ہی محروم رہتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

شب قدر کی حقیقت میں حضرت انسؓ سے ایک دوسری حدیث بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں تو جو لوگ اس وقت عبادت میں مشغول ہوتے ہیں ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں الحدیث۔

الغرض شب قدر کی فضیلت کے متعلق متعدد حدیثیں آئی ہیں۔

عید الفطر رمضان المبارک کے بعد عید کا حکم دینے سے مقصد کیا ہے؟ یہی ناکہ۔ تکبیر وتہلیل کی مقدس صداؤں سے اسلام کے جاہ وجلال کا اظہار کیا جائے تاکہ دنیا کو اس کی شان وشوکت نظر آجائے۔ نیز نعمتِ ہدایت (قرآن) کے عطا کرنے اور روزہ جیسی مقدس عبادت کی توفیق دینے پر اس کی شکر گذاری کی جائے۔ فرمایا۔

ولتکبروا اللہ علے ما	اور اللہ عزوجل نے جو راہ سعادت تم پر کھولدی ہے تو اسکی
ھدٰکم ولعلکم تشکرون	بڑائی کا اعلان کرو نیز اس لئے کہ (اسکی نعمت ہدایت کو کام میں لاکر)
(بقرہ)	اسکی شکر گذاری میں سرگرم رہو۔

لیکن آہ! امت مسلمہ کی بدبختی وشومئ قسمت "نبذوا کتاب اللہ وراء ظھورھم" (انہو نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈالدیا) کہ ہم نے گانے بجانے، کپڑوں کی نمائش اور اسراف و تبذیر کر کے تو عید کرلی اور اس کے حقیقی مقصد کو بھلا دیا۔ ہمیں چاہیئے کہ رسم ورواج کو چھوڑ کر رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق عید منائیں کہ یہی سب سے بہتر راہِ ہدایت ہے وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس پر چلنے کے بغیر راہ یابی (ہدایت) محال ہے۔

مپندار سعدی کہ راہِ صفا   تواں یافت جز بر پئے مصطفٰے

عید کے احکام عید الفطر کے دن غسل کرنا، کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا وغیرہ مسنون ومستحب ہے اور نماز کو نکلنے سے پہلے صدقۂ[۱] فطر ادا کرنا ہر مسلمان (مرد، عورت، غلام، آزاد، چھوٹے، بڑے) پر ضروری ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ یہ صدقہ روزہ کی کمزوریوں کا کفارہ اور مسکینوں کے لیے کھانا ہے اگر نماز کے بعد ادا کیا جاوے گا تو عام صدقات کی طرح ایک صدقہ ہوگا صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا۔

(۲) جب نماز عید کے لیے جائے تو راستہ میں جہر آواز سے تکبیریں[۲] پڑھتا رہے اور مصلے میں پہنچکر بھی اس وظیفہ کو تا قیام نماز ترک نہ کرے۔ کہ اس دن کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ کثرت تکبیر وتہلیل سے اسلام کی شوکت کا اظہار کیا جاوے۔

(۳) عید کی نماز ۱۲ تکبیروں کے ساتھ ادا کرنی چاہیئے سات تکبیریں رکعت اولی میں قبل از قرأت اور پانچ ثانیہ میں یہ بھی قبل از قرأت کہنی چاہئیں اور یہ بارہ تکبیریں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قیام کے علاوہ ہیں

[۱] ایک صاع (دو سیر گیارہ چھٹانک بوزن انگریزی) [۲] اسطرح اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

(۴) نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام خطبہ دے اور لوگ سنیں اس کے بعد گھروں کو واپس آئیں، واپس آتے ہوئے راستہ بدلیں خطبہ کے بعد جو مصافحہ ومعانقہ کا رواج ہے اس کا سنت سے کوئی ثبوت نہیں۔

(۵) یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی باہر نکل کر عید میں شامل ہوں حتی کہ حیض ونفاس والی عورتوں کو بھی حکم ہے کہ اس اجتماع میں شرکت کریں اور نماز پڑھیں ہمارے بعض دیہاتوں میں رواج ہے کہ عورتیں گھر یا محلہ کی مسجد میں اکیلی نماز عید ادا کر لیتی ہیں یہ سنت کے خلاف ہے سنت یہی ہے کہ یہ بھی باہر نکل کر مردوں کے ساتھ نماز ادا کریں۔

شش عیدی روزے عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے بھی مستحب اور مسنون ہیں اور ان کی فضیلت حدیث سے ثابت ہے ابو ایوب الانصاری سے روایت ہے کہ آنحضور نے فرمایا کہ۔

من صام رمضان ثم	جس شخص نے رمضان مبارک کے روزے رکھنے
اتبعه ستا من شوال	کے بعد شوال کے بھی چھ روزے رکھے تو اس کا اجر سال
كان كصيام الدهر	بھر کے روزے کے برابر ہے۔

یہ بھی امت محمدیہ پر منجملہ تفضلات کے اللہ تعالیٰ کا کرم ولطف ہے کہ ان کے لیے ایک نیکی کا ثواب دس گنا رکھا ہے تو رمضان کے روزے دس مہینہ کے روزہ کے برابر اور شوال کے ۲ مہینہ کے مساوی ہونگے۔ اس طرح سال بھر کے عمل کا ثواب صرف ایک ماہ ۶ دن کے عمل سے مل جائے گا۔

کسی امام کا قول واجب العمل نہیں بعض ائمہؒ (ابوحنیفہؒ، مالکؒ) سے ان روزوں کی کراہت منقول ہے لیکن یہ چونکہ صریح حدیث کے خلاف ہے اس لیے ان کا یہ قول قابل اتباع نہیں ایسے ہی ائمہؒ کے دیگر اقوال جو سنت کے خلاف ہیں قابل عمل نہیں ہو سکتے۔ (جیسا کہ ارباب تقلید نے سمجھ رکھا ہے) بلکہ کتاب وسنت کے مقابلہ میں اس کا رد کرنا ضروری ہے، اور ائمہؒ نے خود اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ کتاب وسنت کے مقابلہ میں ہمارے اقوال کی تقلید مت کرو۔ بلکہ امام ابوحنیفہؒ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ جب تک ہمارے قول کا ماخذ اور دلیل معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کو ہمارے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں[1]۔

[1] معیار الحق بحوالہ فتاوی ظہیریہ ۱۲۔

اسلاف کا مسلک ائمہ سلف کا یہی مسلک رہا ہے کہ وہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر کسی کی رائے و اجتہاد پر عمل کرنے کو خلاف اتباع سنت سمجھتے تھے متاخرین حنفیہ میں سے بھی بعض محققین (علامہ سندھی وغیرہ) نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا اور لقیۃ السلف جماعت "اہل حدیث" آج تک اسی مسلک پر قائم ہے اور اسی نصب العمل کی لوگوں کو دعوت دے رہی ہے۔

ارباب تقلید اور ان کی تلبیس لیکن ارباب تقلید جن میں فرقہ وارانہ تعصب غلو کے ساتھ پایا جاتا ہے اور نشۂ تقلید کے سبب کتاب و سنت کی وقعت اور تعظیم ان کے دلوں سے نکل چکی ہے اس "جماعت حقہ" کی مخالفت کو عین جہاد خیال کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ موجودہ فقہ کتاب و سنت کا نچوڑ اور مغز ہے اور محدثین دوا فروش اور فقہا طبیب امت ہیں وغیرہ[1] اسلئے فقہ کے ہوتے ہوئے کتاب و سنت کی ضرورت نہیں اور نہ ہی فقہا کے مقابلہ میں محدثین کی کوئی وقعت ہو سکتی ہے

مروجہ فقہ کی حقیقت اب اس مروجہ فقہ کی حقیقت (جسکو سرمایۂ دین اور کتاب و سنت کا نچوڑ بنا رکھا ہے) الامام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنئے۔ الاحیاء میں فرماتے ہیں۔

"علوم مذمومہ" کے علوم شرعیہ کے ساتھ ملتبس ہونے کا منشا اور حقیقی سبب یہ ہے کہ زمانۂ بعد کے لوگوں نے اسامی محمودہ میں اپنی اغراض فاسدہ سے تحریف و تبدیل کر کے ان کا اطلاق ایسے معانی پر کیا جو زمانۂ سلف اور قرن اول میں معروف نہ تھے۔"

ان میں سے ایک لفظ الفقہ ہے کہ عصر اول میں اس کا اطلاق آفات نفوس اور مفسدات اعمال کے پہچاننے اور طریق آخرت کے جاننے (جس سے آخرت کا خوف شدت کے ساتھ دل پر مسلط ہو جائے) پر ہوتا تھا۔ قرآن پاک نے بھی اس لفظ کا استعمال اس معنی میں کیا ہے۔ فرمایا۔

فلولا نفر من کل فرقۃ	سو کیوں نہ ایسا کیا جاوے کہ اون کی ہر
منھم طائفۃ لیتفقھوا	ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت
فی الدین ولینذروا	جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ
قومھم اذا رجعوا	حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو
الیھم لعلھم یحذرون	جب وہ ان کے پاس آویں، ڈراویں تاکہ وہ
(توبہ)	احتیاط کریں۔ (از اشرف علی)

تو معلوم ہوا کہ فقہ وہ ہے جس سے انذار اور تخویف حاصل ہو اور یہ مروجہ فقہ جس میں طلاق، لعان وغیرہ کی تفریعات بیان کی گئی ہیں اس سے انذار و تخویف حاصل

[1] مقلدین نے ایک اور جھوٹ گھڑ رکھا ہے کہ "حدیث" کے [illegible] کا اجماع ہو چکا ہے [illegible] التزام نہ کریگا

نہیں ہوتی بلکہ مجرد اسی میں مشغول رہنے سے دل میں قساوت آجاتی ہے اور خشوع مسلوب ہو جاتا ہے۔ جیساکہ آج کل کے فقہاء میں ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔

الامام کی اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مروجہ فقہ وہ شرعی فقہ نہیں جس کے حصول کی قرآن و حدیث نے ترغیب دی ہے اور جس کے حاصل کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ بلکہ بعد میں یار لوگوں نے اپنا کام نکالنے کے لیے اس اصطلاح کا اختراع کیا ہے۔ جیساکہ اہل فلسفہ کہتے ہیں کہ آیت "ومن یوت الحکمۃ" میں حکمت سے فلسفۂ یونانی مراد ہے ؎

جنوں کا نام خرد رکھدیا خرد کا جنوں　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

الغرض مروجہ فقہ دراصل ایک وقت کے علماء مجتہدین کے فتاوی کا نام ہے جو غلطی و صحت پر مشتمل ہیں۔

لان المجتهد یخطی ویصیب　　کیونکہ مجتہد کا اجتہاد غلط بھی ہوتا ہے اور صحیح بھی

لہذا اس کی کتابوں کو دین کی کتابیں نہیں کہا جاسکتا اور نہ ان پر کلیۃً اعتماد کرنا جائز ہے۔

اصول فقہ یہ فقہ کی حقیقت تھی اس کے بعد اصول فقہ کو لیجئے جس کو مسائل کی صحت و سقم کا معیار بنا رکھا ہے اور مخالف پر اصول کا نام لیکر رعب ڈالا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

واما اصولیین پس اول کسے کہ قواعد کلیہ آں علم را ضبط نمودہ شافعیؒ است در کتاب ام و در رسالہ کہ برائے عبدالرحمن بن مہدی نوشتہ بعد ازاں دائرہ متسع شد و ہر حامل مذہب برائے مذہب خود اصول درست کرد۔ (قرۃ العینین ص۱۸۶)

یعنی سب سے پہلے اس علم کے قواعد کلیہ امام شافعیؒ نے منضبط کیے بعد ازاں ہر حامل مذہب نے اپنے مذہب کی تائید کے لیے چند اصول بنا لیے اور حنفیوں نے بھی اپنے مذہب کی تائید کے چند اصول تراشے جیسے (۱) خاص بین بنفسہ ہوتا ہے اس کے ساتھ بیان ملحق نہیں ہو سکتا۔ (۲) عام بھی خاص کی طرح قطعی الدلالت ہوتا ہے (۳) مفہوم مخالف غیر معتبر ہے وغیرہ[۱]

پس جب اصول فقہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس علم کی تدوین احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے نہیں بلکہ اپنے اپنے مذہب کی تائید کیلیے کی گئی ہے تو ناظرین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ یہ علم کس قدر صداقت پر مشتمل ہوگا کہ ؎

معلوم ہوا حال شہیدانِ گذشتہ　　تیغ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

[۱] "امام شوکانی" از مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی بحوالہ قرۃ العینین صفحہ ۱۸۱